© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اسلامی تحریکیں جہاں جہاں بھی برسرِ عمل ہیں، شدید مشکلات اور پیچیدگیوں سے دوچار ہیں۔ وہ ہر جگہ بادشاہوں اور آمریتوں کے بوجھ تلے ذہنی گھٹن کی حالت میں اپنے آپ کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے سنگین اور روح شکن حالات کے تحت زندہ رہنا بھی ایک کارنامہ ہے، اور یہ زندہ رہنا بھی اس وجہ سے ممکن ہوا کہ دلدادگانِ حق نے گراں بہا قربانیاں دے کر مخالف قوتوں کو یہ احساس دلایا ہے کہ تم ہمیں ختم نہیں کر سکتے۔ اُدھر نظام ہائے جبریت نے بھی یہ اسکیم تیار کر لی ہے کہ جینے دو مگر قدم آگے بڑھانے کا موقع نہ دو۔

ہماری بادشاہتیں اور آمریتیں بجائے خود ہی کچھ کم نہ تھیں، اب ان کی پشت پر دونوں عالمی طاقتیں بھی آگئی ہیں، اُن کے ساتھ ان کے گُلّوں کی چھوٹی اقوام بھی ہیں جن میں سے بعض انتہا درجہ کی اسلام دشمن اور مسلم آزار ہیں ــــ مثلاً امریکہ کی طرف سے اسرائیل، یونان اور فلپائن، اور روس کی طرف سے ویت نام، ایتھوپیا (حبشہ) اور البانیہ وغیرہ۔ دونوں عالمی قوتیں فعال اسلامی عناصر کو دبانے کے لیے ایک طرف یہ دلائل دیتی ہیں کہ اسلام کے علمبردار ترقی کی راہ میں حائل ہیں اور وہ عالمی اور قومی ضروریات کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور دوسری طرف وہ ہمارے حکمرانوں کو یہ اندیشہ دلاتی ہیں کہ ان عناصر نے اگر زور پکڑ لیا تو تمہارا تخت اُلٹ جائے گا۔ پھر وہ چونکہ اپنی طرف سے سرمایہ، اسلحہ اور ماہرین کی شکل میں بھی امداد دیتی ہیں۔ اس وجہ سے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ایک دلیل یہ ہوتی ہے کہ اگر اسلامی عناصر کو دبایا نہ گیا تو یہ موجودہ ترتیب کو توڑ دیں گے اور ہماری ساری امدادی مساعی برباد ہو جائیں گی۔ پھر وہ مسلم انقلابیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مسلمان قیادتوں کو پروپیگنڈے سے لے کر پھانسی کے پھندے تک کی ساری اسکیم بنا کے دیتی ہیں۔ یہاں تک مسلم حکومتیں اپنے ہی ذہین اور دیانت دار عناصر کی تباہی کے درپے ہو جاتی ہیں۔

پس ہمارے حکمران اکیلے نہیں ہیں وہ اُس مخالفِ اسلام ہائی کمان کے آلہ ہائے کار ہیں جس کے ہیڈ کوارٹر ماسکو اور واشنگٹن اور تل ابیب میں قائم ہیں۔ اسی ہائی کمان نے امریکہ سے مصر کی سادات حکومت کو ایک جامع خفیہ منصوبہ بنا کر دیا تھا کہ اخوان المسلمون کا زور کس طرح توڑا جا سکتا ہے۔ یہ رازِ نہاں فاش ہو گیا، لہٰذا منصوبہ پر عمل مؤخر تو ہو گیا مگر آہستہ آہستہ کام اسی ڈگر پر ہو رہا ہے اور اگلے مراحل میں زیادہ واضح طور پر ہونے لگے گا۔ ٹھیک اسی طرح عالمی اکابر دوسرے اہم مسلمان ممالک میں —— جہاں جہاں اسلامی تحریکیں کام کر رہی ہیں —— یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی اُٹھتی ہوئی لہر کا رُخ مسلم جبریت کیش حکمرانوں کے ہاتھوں پھروا دیا جائے۔

عالمی طاقتوں نے پروپیگنڈے کی وسیع قوتوں اور نو بہ نو سازشی کارروائیوں کے ذریعے ایک طرف بہ حیثیت مجموعی مسلمانوں کو مبتلائے افتراق کرنے کی مساعی شروع کر رکھی ہے اور دوسری طرف اسلامی تحریکوں کی صفوں میں دراڑیں پیدا کرنے کے ہتھکنڈے آزمائے جا رہے ہیں۔ ان مساعی اور ہتھکنڈوں کے مظاہر و نتائج جگہ جگہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

روس اور امریکہ دونوں نے باقاعدہ یہ طے کر لیا ہے (اور کے جی بی اور سی آئی اے کو ہدایات جاری کر دی گئی ہیں) کہ اسلامی تحریکوں کا زور توڑنا ہے۔

اس سلسلے میں پہلی حرکت تو اس پروپیگنڈے کی شکل میں سامنے آئی کہ اسلام کوئی خطرناک قوت ہے۔ اور موجودہ مہذب دُنیا میں یہ وحشیانہ ملائیت کا ظہور و اقدام ہے۔ اس مفہوم کو نئے پیرائے میں بیان کرنے کے لیے (FUNDAMENTALISM) کی اصطلاح رائج کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے۔

عالمی قوتیں دُور بیٹھ کر اسلامی تحریکوں کے خلاف جو جنگ لڑنا چاہتی ہیں، اس کے لیے اصلی حکمرانوں سے (جو بدل بھی سکتے ہیں) زیادہ اُن کی اُمیدیں مسلمان ممالک کی بیوروکریسی (وہ خالص سول ہو یا فوجی اور سول ملی جلی) سے وابستہ ہیں جو خوئے غلامی میں پختہ، سامراجی دور کی روایات کی پاسدار، مزاج کی سیکولر اور اطوار کے لحاظ سے اباحیت پسند ہے۔ بیوروکریسی اور دوسرے لادینی عناصر اور اُن کی بیگمات کا محاذ ایک بڑا مؤثر محاذ ہے۔ اور اس محاذ کو اسلامی تحریکوں کے خلاف اس طرح استعمال کیا جا رہا ہے کہ بالعموم استعمال ہونے والوں کو پتا بھی نہیں چلتا کہ ہم کدھر لے جائے جا رہے ہیں۔

اس محاذ کی مضبوطی کے لیے شراب اور قمار، مخلوط ثقافتی تقاریب، رندانہ آرٹ، عریاں تصویروں، جنسی تحریروں، بیہودہ گانوں کے اسلحہ سے مضبوط کیا جاتا ہے۔ جہاں جہاں دولت پرستی، مفاد کی بندگی، عریانی و فحاشی اور عورتوں کے سوشل اُبھار کے مظاہر بڑھ رہے ہیں وہاں وہاں اسلام کے خلاف عالمی تحریک اپنا کام تیزی سے کر رہی ہے۔

یہ حملہ سیدھا سیدھا اسلامی اقدار و اخلاق کی تباہی کا باعث بن رہا ہے۔ اسلامی تحریکوں کے علمبردار اور محبِ دین عوام گندگی کے اس ریلے کے خلاف لکھتے ہیں، بولتے ہیں، شور مچاتے ہیں، اس کی مذمت کرتے ہیں، حتیٰ کہ اسلام سے وفاداری رکھنے والی خواتین و طالبات اکثریتی طبقہ نسواں کی نمائندگی کرتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں مگر بیوروکریسی کے دیوتا، لادینیت پسند طبقے ذرائع ابلاغ پر پہلے سے قابض غلبۂ اسلام کے مخالفین مضبوط قلعوں میں بیٹھے احتجاجی لہروں کا کوئی نوٹس نہیں لیتے، بلکہ مرکزی فرمانروا قوت کے گرد گھیرا ڈال کر اُسے یہ یقین دلاتے ہیں کہ قوم کی یہ آواز ہے ہی نہیں، قوم تو ساری ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔

کوئی مثال یا نظیر ایسی موجود نہیں کہ مغرب زدہ ذہنوں کے اُٹھائے ہوئے کسی اشتعلے کے خلاف کوئی مسلمان حکومت ڈٹ کر کھڑی ہو گئی ہو کہ کسی خاص غلط نظریہ و رجحان کو ہم اپنے ہاں نہیں چلنے دیں گے۔ خاص طور سے ماڈرن خواتین کا مقام تو اتنا بلند ہے کہ دس بیس بھی اگر اُٹھ کھڑی ہوں تو ٹیلی وژن پہ ساری قوم کے پسندیدہ کسی دینی پروگرام کو بند کرا سکتی ہیں اور نصِ قرآنی کے خلاف آنچل کو پرچم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا سکتی ہیں۔

یہ بہت ہی غیر مساویانہ کشمکش ہے، جس میں بیرونی طاقتیں، عالمی مادہ پرستانہ تہذیب، مقامی بیوروکریسی، سیکولر طبقے اور بعض اقلیتیں مسلم قوت کے خلاف محاذ آرا ہیں، اور جب اس تصادم میں کوئی فیصلہ کن مرحلہ آتا ہے تو مرکزی حکمران قوت کا فیصلہ بھی اپنا وزن مخالف پلڑے میں ڈال دیتا ہے۔

آگے چلیں تو یہ نقشہ احوال سامنے آتا ہے کہ مخالفِ اسلام عالمی قوتیں سرداترے ہیں اور ہر سطح پر مسلم قوت میں دراڑیں پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بین الاسلامی سطح پر عراق اور ایران کی جنگ، اب لیبیا اور سوڈان میں کھچاؤ، ایران اور سعودی عرب (خلیجی ریاستوں سمیت) میں تناتنی، نائیجیریا اور گھانا میں منافرت، شمالی یمن اور جنوبی یمن میں منافات، صومالیہ اور ایتھوپیا میں تنازعہ، اور پھر دوسرے مسلم ممالک کی ہمدردیوں کا مختلف اطراف میں تقسیم ہو جانا۔ عالمی اتحاد اسلامی کی ان کوششوں کے لیے تباہ کن ہے جو چند سال سے ہو رہی ہیں۔

پھر مختلف مسلم ممالک کے متعلق پروپیگنڈا اور سازشی عمل جاری ہے۔ مثلاً ایران کے خلاف امریکہ اور مغرب میں علانیہ اور روسی حلقۂ اثر میں خفیہ طور پر ردِّ عمل کی شدید لہر موجود ہے۔ افغانستان کے خلاف ہمدردی کے پردے میں امریکی و مغربی حلقے اپنا کام یوں کر رہے ہیں کہ ایک تو وہ افغانیوں کی تحریک اسلامی کو نہیں مانتے بلکہ وطن پرستانہ جنگ آزادی کا تصور اُن سے وابستہ کرتے ہیں، دوسرے لفظ "جہاد" کا استعمال ان کے لیے تکلیف دہ ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی عالمی ڈپلومیسی کے گراں قدر تقاضوں کے باوجود ضرورت سے بہت کم غذائی یا طبی اور پروپیگنڈے کی امداد دے کر افغانیوں کو لمبے دورِ مصیبت سے گزارنا چاہتے ہیں تاکہ وہ پِستے پِستے آخر کار ایک ایسی سیکولر حکومت و قیادت پر راضی ہو جائیں جو امریکہ و مغرب کو پسند ہو۔

مختلف ملکوں میں اسلامی تحریکوں میں بھی طرح طرح سے رخنہ اندازی ہو رہی ہے۔ مثلاً ہر جگہ کوئی نہ کوئی کیمپ اور ذہنی چھاپہ ماروں کو ایسا جتھا موجود ہے جو مذہبی خدمت کے طور پر زندہ و فعال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی تحریکوں پر سنگ باری کرنے میں مصروف ہے۔ ایسے عناصر کو اپنا مثبت و تعمیری کام کرنے سے زیادہ عزیز یہ ہے کہ وہ غلبۂ اسلام کا کام کرنے والی نمایاں مرکزی قوتوں میں کیڑے ڈالیں اور اُن کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہیں۔ جسے حال میں کوئی چیز نہیں ملتی وہ پچھلے تاریخی واقعات کی نئی نئی توجیہیں کرتا ہے، جسے ماضی میں کچھ نہیں ملتا وہ گول مول الزام گھڑتا ہے اور خاص خاص افراد کو نشانہ بناتا ہے، جسے کوئی معنی خیز بات نہیں ملتی وہ علمبردارانِ تحریک کے کسی ایک لفظ یا فقرے پر سیاق و سباق کو برطرف کر کے بدباطنی کا ایوان تعمیر کرتا ہے، جسے عمل و کردار میں گرفت کی راہ نہیں ملتی وہ اپنی جانب سے ایک خاص نیت فرض کر کے دوسرے کے دل میں فٹ کرتا ہے۔ اور ان سارے کرشمہ سازوں کو بعض غلط اطراف سے تقویت ملتی رہتی ہے۔

اسی سلسلے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسلامی ذہن رکھنے والے فعال و متحرک نوجوان طلبہ کی جو قوت پچھلے چند برس میں اسلامی ملکوں میں پروان چڑھی ہے، وہ بھی حملے کی زد میں ہے۔ پاکستان میں یہ تجربہ بہت نمایاں ہو کر سامنے آگیا ہے کہ تحریکی انداز پر کام کرنے والے طلبہ کے خلاف جامد لامذہبیت کے پاسداروں نے اپنے طلبہ کی ایک قلیل سی تعداد کو میدان میں اُتار دیا ہے۔ ان قلیل التعداد اسلامی طلبہ کا گٹھ جوڑ چھوٹی چھوٹی ایک درجن سے زیادہ ہم تنظیموں سے قائم ہوا ہے ان کی مرکزی قوتِ قیادت بائیں بازو کے قبضے میں ہے، کیونکہ بقیہ عناصر یا تو لادینیت پسند ہیں یا کم سے کم غلبۂ اسلام کے مخالف ہیں۔

حال ہی میں بنگلہ دیش میں کمیونسٹ اور لادینیت پسند طلبہ نے خونخوارانہ حملہ کر کے جس طرح اسلامی ذہن کے طلبہ کو قتل اور گھائل کیا ہے وہ بڑی سبق آموز صورتِ حالات ہے۔ اس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ مخالفِ اسلام ذہن کتنا جارحانہ ہے وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بین بین قسم کی حکومتیں اسلام کا نام لینے کے باوجود اسلامی عناصر کو مسلسل کمزور کر کے کیسے خراب حالات پیدا کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ اسی نہج پہ پاکستان میں کام ہو رہا ہے اور یہاں کی حکومت بھی بظاہر ایک "غیر جانبدارانہ" روش اختیار کر کے اسلام کے پاسدار نوجوانوں کے لیے خطرناک حالات پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ طلبہ کی طرح ہمارے یہاں مسلم ذہن کے اُستادوں کا جو منظم اتحاد نشوونما پاچکا ہے۔ اس میں سے لادینی کارکنوں نے بڑی مہارت سے ایک تعداد کو توڑ کر الگ کر لیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کا یہ حال ہے کہ اسلام اور پاکستان سے محبت رکھنے والے لوگ نواب تک جمع نہیں ہو سکے ; بلکہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے درمیان دیواریں یا خندقیں پیدا کرنے والی ہیں - البتہ اسلام اور پاکستان کے خلاف کام کرنے والوں نے اپنی امارت میں مختلف گروہوں کی صف بندی کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں - ایم - آر - ڈی ان کی قلعہ بندی ہے ، اس کی کمان لادینیت پسند پیپلز پارٹی کے ذہن کے پاس ہے اور اس ذہن کے پیچھے کمیونسٹ ٹمن دباتے اور بند کرتے ہیں ، در آنحالیکہ اس قلعے کی فصیلوں پر اچھے خاصے مذہبی اور پاکستان دوست حضرات گشت کرتے دکھائی دیتے ہیں -

علماء کی شان یہ ہے کہ اول تو ہر کوئی اپنے گروہ کو ساتھ لے کر یا کم سے کم اپنے مدرسے اور محراب و منبر کے ماحول میں اپنے آپ کو واحد برحق ترجمانِ دین سمجھتا ہے ، مسجد مسجد میں فرقہ بندی کے اڈے موجود ہیں اور اپنے اپنے لاؤڈ اسپیکروں سے ہر طرف صدائے اَنَا وَلَا غَیرِی بلند ہو رہی ہے - جس میں کبھی کبھی تکفیر کا شر بھی مل جاتا ہے - کچھ اور حضرات ہیں جن کے ہاتھوں میں قلم ہیں وہ اسلامی ریاست و حکومت کے بنیادی مسائل میں اپنے اپنے جداگانہ اجتہادات نشر کر رہے ہیں - اور کچھ لوگ اخباری کالموں میں سود اور مضاربت سے لے کر قربانی اور ختنہ تک کے متعلق رنگا رنگ شگوفے چھوڑ رہے ہیں - انہیں معلوم نہیں کہ "یک بام و دو ہوا" کے بجائے جہاں معاملہ "یک بام وصد ہوا" کا ہو جاتے ، وہاں لوگ سرے سے بام ہی کو آسیب زدہ سمجھنے لگتے ہیں - پھر یہ بھی نہیں کہ اگر کسی کا اپنا ایک جداگانہ طرزِ فکر ہو تو وہ بس پر مثبت کام کرے ، بلکہ مثبت کام سے بہت زیادہ ضروری یہ ہے کہ جس کسی سے ان کا اختلاف ہو اس کے متعلق دو ایک بار اظہارِ رائے کافی نہیں بلکہ نت نیا تبرّیٰ ضروری ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عقیدہ و مقصد کی محبت پر ہزار گنا زیادہ غالب ان لوگوں سے نفرت رکھنے کی بیماری ہے جن سے اختلاف ہو گیا - پھر ایسے اختلاف کا مریض ہر جگہ اپنی طرح کے مریضوں کی تلاش میں رہتا ہے ، مگر نہیں جانتا کہ اس طرح کے مریضانِ منفیت کی بڑی سی فوج جمع کر لینے سے بھی کچھ نہیں بنتا -

یہ ہیں مختلف دوائر میں اسلامیت کے مصائب جن کو پھیلانے کے لیے کچھ ماہرین ہر جگہ پسِ پردہ کام کرتے ہیں ، گروہ میں شامل ہو کر بھی اور افراد سے عقیدت استوار کر کے یا ان کی خدمت کر کے بھی ، اور کچھ حاشیہ کے ذریعے بھی -

کتنا اعلیٰ اور مقدس دین سامنے ہے ، کتنا عظیم الشان نصب العین مرکزِ توجہ ہے ، کتنا بھاری اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محنت طلب کام ہے، اور کیا حال زار ہے ہمارے محاذِ اسلامیت کے پراگندہ ذہن جانبازوں اور سرگراں سپہ سالاروں کا!

یہ دُور دُور تک پھیلا ہوا دَورِ تعطّل اسلامی تحریکوں کے لیے ایک تاریخی مرحلہ معلوم ہوتا ہے۔ اس مرحلے کی سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ اس میں مخالف نظریات اور تخریبی فتنوں کو کام کرنے کے مواقع زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہیں۔ خود اپنے یہاں ہی دیکھ لیجیے، حکومت کی صفوں سے لے کر قومی سیاست کے دائروں تک ہر جگہ مخالف و مزاحم عناصر زور پر ہیں۔ فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھل گیا ہے۔ خواتین ہمک ہمک کر شریعت سے اپنی بیزاری کا اظہار کر رہی ہیں۔ اُن کے آگے آگے ایسے وکلا ہیں جو اپنے مفاد کے لیے شرعی عدالتوں کے قیام کے خلاف غوغا آرائی کر رہے ہیں۔ اخباری کالموں میں ہر قلم بردار نے بڑے اور چھوٹے تمام دینی مسائل کے پُرزے اس طرح کھول کر رکھ دیئے ہیں کہ بس پورے سسٹم سے اعتبار اُٹھ جائے۔ چمنستانِ ثقافت پر بھی بہار آئی ہوئی ہے۔ اور ساتھ کے ساتھ رشوت و خیانت اور جرائم و تشدد کا سلسلہ بھی عروج پر ہے۔

اور بلندیوں سے "اسلامی نظام"۔۔۔ "اسلامی نظام" کا مبارک آوازہ بھی لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہا ہے۔

پاکستان اور دیگر ممالک کے رفقائے جادۂ حق سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس قسم کا مرحلہ آجانے پر جذبات اضطراب سے معاملہ نہیں سُلجھتا۔ کرنا یہ چاہیے کہ:-

۱۔ کام کا جو راستہ بند ہے اس کے کھلوانے کی جدوجہد اس حد تک کریں جس حد تک ممکن اور قرینِ مصالحِ ملت ہو۔

۲۔ کام کے وہ دائرے جن کا دروازہ کوئی قوت بند نہیں کر سکتی۔ ان میں پہلے سے دس گنا زیادہ کام کیجیے تاکہ اس دَورِ تعطّل سے نجات کی جب بھی راہ نکلے تو آپ یہ دیکھیں کہ آپ کی انفرادی قوت پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ دعوت کے لیے نئے نئے میدان پیدا کیجیے، نئے گوشے (باقی بر صفحہ ۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمتِ سیّد مودودیؒ

محمد یوسف صاحب لائبریرین ادارہ تحقیقات اسلامی۔لاہور

نصف صدی پہلے کے "اشارات" مولینا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے "فاتحہ" کے عنوان سے لکھے تھے۔ ہجری کیلنڈر کے مطابق یہ تحریر اب سے ساڑھے اکیاون برس پہلے کی ہے۔ جب ترجمان القرآن مولینا کے ہاتھوں میں آیا۔ یہ تحریر محرم ۱۳۵۲ھ کے اس پرچے میں شائع ہوئی جو مولینا کی ادارت میں نکلنے والا اولین شمارہ تھا۔

(مرتب)

الحمد للہ الذی انزل الینا کتابًا فیہ ھدًی وشفاء للناس، وبیرہ لنا لنذکر بہ، وارسل الینا عبدہ ورسولہ محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم بالھدی ودین الحق یتلوا علینا ایاتہ ویزکینا ویعلمنا الکتب والحکمۃ، ویخرجنا من الظلمت الی النور۔

یہ رسالہ اپنی زندگی کے چھ مہینے پورے کرنے کے بعد آج ایک دوسرے مرحلے میں قدم رکھ رہا ہے۔ جو پہلے مرحلے سے زیادہ کٹھن اور دشوار ہے۔ کٹھن اور دشوار صرف اسی معنی میں نہیں کہ اس کے پیش نظر اب پہلے سے زیادہ مشکل کام ہے، بلکہ اس معنی میں بھی کہ جن ہاتھوں میں وہ منتقل ہو رہا ہے وہ پہلے کام کرنے والے ہاتھوں سے زیادہ کمزور ہیں۔ اب تک اس رسالہ کی تحریر و ترتیب ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جس نے برسوں سے اپنی زندگی کو قرآن اور صرف قرآن کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے، جس کے لیے قرآن کے ذکر اور قرآن کی تعلیم و تبلیغ کے سوا دنیا کی کسی چیز میں دلچسپی

© rasailojaraid.com

نہیں رہی، جس نے قرآن کے کام کو اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا ہے، اور قرآن کی طرف دعوت دینے میں جس کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ دنیا کے ہر انہماک کو اس پر رشک آتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے سب سے بڑی قوت اس کا خلوص، اس کی تن دہی اور اس کا ایثار ہے جو ہر مشکل سے مشکل امر میں کامیابی کے لیے ضامن ہوتا ہے۔ مگر اب یہ کام اس شخص کے سپرد کیا جا رہا ہے، جو انکسار کے طور پر نہیں، اعترافِ حقیقت کے طور پر اپنی کمزوری، اپنی بیچارگی، اپنی بے مائگی کو تسلیم کرتا ہے اور ہر شخص سے زیادہ خود اپنے عجز و درماندگی سے واقف ہے۔

ایک طرف یہ ضعف و ناتوانی ہے۔ دوسری طرف پیشِ نظر کام یہ ہے کہ اسلام کو اس اصلی روشنی میں پیش کیا جائے جس میں قرآن حکیم نے اس کو پیش کیا ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات اور اس کے حقائق و معارف کو اس طریق سے بیان کیا جائے، جس طریقہ سے سلف صالح نے ان کو بیان کیا ہے۔ کہنے کو یہ کام بہت آسان ہے۔ صرف دو جملوں میں اس کا ماحصل ادا کر دیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مشکوٰۃ نبوت سے بعد، علمِ صحیح کی کمی، سلامتِ قلب و سدادِ نظر کے فقدان، یونانی تفلسف، عجمی موشگافی، مغربی تشکیک، اور سب سے بڑھ کر خود پرستی، عقلیت کے گھمنڈ اور ہوائے نفس کے اتباع نے ہمارے اور معارف قرآنی کے درمیان ایسے پردے ڈال دیے ہیں کہ جو قرآن آسان کیا گیا تھا وہ اب سب سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ جو نہ صرف روشن بلکہ روشن گر، نہ صرف نور بلکہ منیر تھا وہ اب خود اپنی اصلی شکل میں نظر نہیں آتا کجا کہ ہم کو سیدھا راستہ دکھائے۔ جو آنکھوں کو دیکھنے، کانوں کو سننے، دلوں کو سمجھنے کی دعوت دینے آیا تھا وہ اب خود نہ دکھائی دیتا ہے، نہ کانوں میں اترتا ہے اور نہ دلوں تک پہنچتا ہے۔ قریب قریب ایک ہزار برس سے اس سراجِ منیر، اس نورِ مبین، اس شمعِ ہدایت پر اسرائیلیات، یونانیات، عجمیات اور فرنگیات کے تو بر تو پردے ڈالے جا رہے ہیں، جن کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں چاہے تحریف نہ ہو سکی ہو، مگر معانی کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، حقائق چھپ گئے ہیں، ______ تعلیمات مستور ہو گئی ہیں، اور ان فوائد کا حصول کم اور کم تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جن کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی تھی۔ فلسفیوں کے نظریات، منطقیوں کے اُصول، طبیبوں کے قواعد، فلکیوں کی تشریحات، مؤرخوں کے بیانات، قصہ خوانوں کے قصے، غرض

© rasailojaraid.com

ہر وہ چیز جس کو قرآن اُس کی تعلیم، اور اس کی ہدایت سے دُور کا واسطہ بھی نہیں، قرآن کی تفسیر و تاویل میں دخل پا گئی ہے۔ اور اس کے برعکس رسول اللہؐ کی سنت اور اصحاب و اہلِ بیت رسولؐ کے اقوال و آثار اور مشکوٰۃِ نبوت سے قریب ترین انتساب کرنے والوں کے بیانات کو جن کو فہمِ قرآن منحصر ہے اس سے خارج یا قریب قریب بے تعلق کر دیا گیا ہے۔

اِن حالات میں قرآن مجید کو اس کی اصلی صورت میں پیش کرنا، اس کے حقائق و معارف کو اس سیدھے اور صاف طریقے سے سمجھنا اور سمجھانا جس سے قرنِ اول کے سچے مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے تھے، ایک بڑا کام مشکل ہے۔ اور اس مشکل کام کے لیے اس رسوخِ علم، سلامتِ قلب اور طہارتِ نفس و روح کی ضرورت ہے، جس کی قلت میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔ قرآن مجید کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت پاکیزگی ہے کہ قرآن ھدًی للمتقین ہے۔ جس طرح قرآن کے اوراق کو چھونے کے لیے جسم کی پاکیزگی ضروری ہے اسی طرح اس کے معانی، اس کے معارف، اس کی رُوح تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نفس و روح کی پاکیزگی بھی لازم ہے، جس کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ اس کے بغیر انسان بجائے ہدایت پانے کے اُلٹا گمراہ ہو جاتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (۲ : ۳)

خدا اس قرآن سے بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور گمراہ جن کو کرتا ہے وہ دراصل فاسق ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ رسوخِ علم بھی ضروری ہے۔ جو متشابہات کو بھی محکمات کے درجے میں کر دیتا ہے۔ اور جس کے بغیر انسان اتنا کج فطر و کج فہم ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے محکمات بھی متشابہات ہو جاتی ہیں:

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ

قرآن میں سے بعض آیتیں صاف و صریح ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں۔ اور بعض کے معانی مشتبہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کے مشتبہ اور مبہم حصوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ۔

تاکہ اس سے فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کیا کریں۔ اور جو علم میں رسوخ اور پختگی رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو قرآن پہ ایمان لے آئے ہیں اس میں جو کچھ ہے ہمارے رب کی طرف سے ہے اور حق یہ ہے کہ جو عقل رکھتے ہیں نصیحت انہی پر کارگر ہوتی ہے۔

(۳:۱)

پس سلامتی کی راہ تو در حقیقت اس میں تھی کہ جو شخص رسوخِ علم اور طہارتِ قلب کا مالک نہیں ہے وہ "ترجمان القرآن" کی تحریر و ترتیب کا کام اپنے ہاتھ میں نہ لیتا، مگر کام کی دشواری اور اپنی کمزوری کو جاننے کے باوجود محض خدمت کے جذبہ نے مجھ کو اس دعوت کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا جو مجھے اس کام کی جانب دی گئی ہے اور اس بھروسہ نے میری ہمت بڑھائی کہ جس خدا نے میرے دل میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے، وہی رسوخِ علم، صحتِ فکر، سلامتِ قلب اور طہارتِ نفس و روح بھی ارزانی فرمائے گا۔

"ترجمان القرآن" کے مقاصد میں سے ایک اہم اور ضروری مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو قرآن کے سمجھنے میں مدد دی جائے اس مقصد کے ذیل میں یہ بھی آجاتا ہے کہ ان شکوک و شبہات کو حل کیا جائے جو قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے "ترجمان القرآن" میں ایک مستقل باب رہے گا۔ جس میں ہر شخص کو اپنی مشکلات اور اپنے شبہات پیش کرنے کا حق ہوگا۔ اور حتی الامکان ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ حتی الامکان میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا فاضل ہو، یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہر مشکل کو حل اور ہر شبہ کو رفع کر دینے پر قادر ہے۔ ایک شخص زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ اپنے علم و فہم کے مطابق لوگوں کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ باقی رہا ان شبہات کو بالفعل دور کر دینا اور ہر شخص کو کلیۃً مطمئن کر دینا تو یہ کسی کے بس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات نہیں ہے۔

اِس کے ساتھ ہی مَیں اس کا مدعی نہیں ہوں کہ مجھ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ کسی مسئلہ کے سمجھنے اور بیان کرنے میں خود میں غلطی پر ہوں، ایسے مواقع پر مَیں اُمید کرتا ہوں کہ میری کسی غلطی کو قصد و اختیار پر محمول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ناواقفیت اور قلتِ فہم کا نتیجہ سمجھا جائے گا۔ اور اہلِ علم حضرات میری اصلاح کی کوشش فرمائیں گے۔ مَیں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی شخص مجھے غلطی پر اصرار کرنے والا ہٹ دھرم نہ پائے گا۔

ایک بات مجھے "ترجمان القرآن" کے ناظرین سے بھی عرض کرنی ہے۔ اس رسالہ کے اجراء کا مقصد جلبِ زر نہیں ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔ اِس قسم کے رسائل نہایت محدود طبقوں میں مقبول ہوتے ہیں۔ اس لیے جو شخص ایسا کوئی رسالہ نکالتا ہے وہ پہلے ہی یہ سمجھ لیتا ہے کہ مالی منفعت کا حصول تو درکنار نقصان سے بچنا بھی مشکل ہے۔ لیکن یہ رسالہ جس دعوت کو پیش کر رہا ہے اس کی کامیابی اس پر منحصر ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اس کا پیغام پہنچے، اور زیادہ سے زیادہ آدمی اس کی تعلیم سے مستفید ہوں۔ لہٰذا اس رسالہ کے ہر ناظر کو صرف قاری ہی نہ ہونا چاہیے، بلکہ مبلغ اور داعی بھی ہونا چاہیے اور اپنے اپنے حلقہ میں اس کی اشاعت کی کوشش کرنی چاہیے۔ میرا کام رسالہ کو مفید اور مفید تر بنانا ہے۔ اور ناظرین کا کام اس کے حلقۂ اشاعت کو وسیع اور وسیع تر کرنا۔

آخر میں ترجمان القرآن کے مؤسس جن کے ہاتھوں سے یہ ماہنامہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرف منتقل ہوا، مولوی ابو محمد مصلح صاحب کا وہ شذرہ بھی نقل کیا جاتا ہے جو رسالے کو مولینا مودودی کے حوالے کرتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا۔ اس شذرے سے مولوی ابو مصلح صاحب کا وہ نقطۂ نظر سامنے آجاتا ہے، جو

© rasailojaraid.com

تحریکِ قرآن کے حوالے سے مولینا مودودی کے متعلق ان کا تھا۔
(مرتب)

تحریک قرآن سے ملک آشنا ہو چکا ہے اور قریب قریب ہر طبقہ کے افراد عملاً اس میں شرکت فرما چکے ہیں آئیندہ اگر خدا کو منظور ہے تو بہت جلد ایک تنظیمی شکل پیدا ہو جائے گی اور پھر وہ جس سے چاہے گا اس سلسلہ میں کام لے گا۔

تحریک قرآن اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے اس کے اصول و فروع پر بحث کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ الاصلاح سہسرام، مذہب کلکتہ اور سلسلۂ اشاعتِ قرآن حیدرآباد دکن کے تقریباً پانچ ہزار صفحات تحریک کے متعلقات اور توضیحات سے لبریز ہیں۔

نفس تحریک کوئی نئی چیز نہیں، لیکن جس شکل میں اس چودھویں صدی کے اندر اس کو پیش کیا گیا ہے وہ یقیناً جملہ تحریکاتِ ماضی وحال سے اپنے رنگ میں جدا ہے اور یہی اس کی خصوصیت ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اب تک جو کچھ لکھا جاتا رہا ہے اس میں پندرہ آنے سے زیادہ محرک کے خیال کی ترجمانی ہوتی رہی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ دوسرے اہل قلم حضرات کے خیالات سے بھی عوام کو آگاہ کیا جائے۔ اور اس طرح ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے جو صرف قرآن مجید کے متعلق سوچے اور اسی کے متعلق لکھے تاکہ مسلمانوں میں یک رنگی پیدا ہو جائے۔

الحمد للہ ترجمان القرآن کے اجراء نے بہت جلد عملی شکل اختیار کی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسی شخصیت کے ظاہر و باطن کو مستقل طور پر خدا نے اس کے لیے منتخب فرما لیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

© rasailojaraid.com

قرآن کریم کی ترتیب

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

(۳)

قرآن پاک کا رسم الخط حضرت عثمانؓ کے مصحف کے رسم الخط پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ اس لیے ہر کاتب کے لیے اس رسم الخط کے مطابق قرآن کی کتابت کرنا ہوگی۔ جو بھی کاتب قرآن کے ماثور رسم الخط میں کمی زیادتی کرے گا وہ "الزائد فی کتاب اللہ والناقص فیہ ملعون" (کتاب اللہ میں کمی زیادتی کرنے والا رحمتِ خداوندی سے دور ہے) کے حکم میں آتا ہے۔[۱]

اعراب مصحف عثمانی میں نقطوں اور اعراب کا وجود نہ تھا۔ سورتوں کے نام اور فواصل بھی موجود نہ تھے۔ اس لیے بعض الفاظ کو کئی طرز پر پڑھا جاتا تھا۔ خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں بھی مصحف عثمانی کی تلاوت نہ ہوتی تھی، حالانکہ قرآنی نسخوں کو جمع کرتے ہوئے چالیس سال کا عرصہ گذرا تھا۔ اس دور میں قرآن کے حروف کے تلفظ میں غلطیاں عام ہوگئیں اور عراق میں یہ غلطیاں بہت زیادہ پھیل گئیں۔ اس وقت عربوں اور عجمیوں میں اختلاط بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ عبدالملک کے دور میں ۶۵ھ میں اموی حکام نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ قرآن پاک پر نقطے اور اعراب اگر نہ لگائے گئے تو اس کی عبارت میں کافی تغیر و تبدل واقع ہوجائے گا۔ اس لیے انہوں نے قرآنی الفاظ پر کچھ ایسے نشانات لگائے جن سے حروف کی ادائیگی آسانی سے ہوتی تھی۔ اگرچہ الفاظِ قرآن اور ان نشانات کو ان سے

---

[۱] نہایت البیان،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الگ رکھنے کے لیے مختلف سیاہی بھی استعمال کی گئی۔ اس سلسلے میں اُس وقت کے والیٔ عراق عبیداللہ بن زیاد (متوفی ۶۷ھ) اور حجاج بن یوسف الثقفی (متوفی ۹۵ھ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔[1]

قرآن پر سب سے پہلے نقطے اور اعراب کس نے لگائے؟ اس سلسلے میں عام طور پر ابوالاسود الدؤلی کا نام لیا جاتا ہے۔ ابوالاسود علم نحو کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے حکم پر علمِ نحو کے چند مسائل بھی مرتب کیے تھے، اس لیے قرآن پاک پر نقطے لگانے کی نسبت اُن کی طرف کی گئی ہے۔[2]

کہتے ہیں کہ بصرہ کے والی زیاد نے اُس کو قرآن کریم پر علامات لگانے کو کہا تھا۔ اور ابوالاسود نے آخر کار تلفظِ قرآن میں بعض سنگین غلطیوں کے واقعات سے مجبور ہو کر قرآنِ پاک پر اعراب لگانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے اجتہاد سے حرف کے اُوپر سُرخ روشنائی سے نقطہ لگا کر اُس کو فتح (زبر) قرار دیا اور ضمہ (پیش) کی علامت کے طور پر حرف کے اجزا کے درمیان سُرخ سیاہی سے نقطہ لگایا۔ سکون (جزم) کی علامت کے طور پر حرف کے اُوپر دو سُرخ نقطے لگائے۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک پر نقطے اور اعراب لگانے کا کام صرف ابوالاسود الدؤلی کے بس کا کام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم اللیثی کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔ درحقیقت اس کام کے موجد ابوالاسود، یحییٰ بن یعمر نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا اور ان دونوں کے شاگرد نصر بن عاصم اللیثی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔[4]

---

[1] علوم القرآن، ۱۳۰ ف ف

[2] ایضاً

[3] ایضاً، اصول التفسیر، بقول ـــــ ابوالاسود نے یہ کام خلیفہ عبدالملک کے حکم سے کیا تھا۔

[4] ایضاً ص ۱۳۲ " " " " "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے رسم الخط کو آسان سے آسان تر بناتے کا کام جاری رکھا گیا۔ خلیل نحوی پہلا شخص تھا، جس نے اعراب کی شکلیں وضع کیں۔ زبر (فتحہ) کو "الف" سے، زیر (کسرہ) کو "ی" سے، اور ضمہ (پیش) کو "واؤ" سے باہمی مشابہت کی وجہ سے وضع کیا، آپ نے ہمزہ، تشدید (شدّ) اور روم و اشمام (علم نحو و صرف کی دو اصطلاحیں) ایجاد کئے[1]

تیسری صدی ہجری کے اختتام پر قرآن کریم کا رسم الخط حسن و خوبی میں کمال تک پہنچ چکا تھا۔ اس کام میں لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مشدد حرف کے لیے کمان جیسی ایک علامت وضع کی گئی اور الف وصل پر فتح، کسرہ اور ضمہ کے علاوہ اوپر، نیچے اور درمیان میں علامت مقرر کی گئی۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان علامات اور قرآن کے اصلی الفاظ میں تمیز کرنے کے لیے ان کو الگ الگ روشنائیوں سے لکھا گیا[2]

جہاں تک مدّات کا تعلق ہے تو حروف مدّ تین ہیں۔ الف جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، واؤ ساکن کہ ما قبل مضموم ہوتا ہے اور "ی" ساکن کہ ما قبل مکسور ہوتا ہے۔ مدّات کی سات قسمیں مقرر کی گئیں۔

۱۔ مدّ متصل:۔ اس میں حرف مدّ اور ہمزہ ایک لفظ میں آتے ہیں۔ جیسے اُولٰٓئِكَ، سُوْٓءِ، جِیْٓئَ، سَآءَ۔ اس مدّ کو کالی سیاہی سے لکھتے ہیں۔

۲۔ مدّ منفصل:۔ اس میں حرف مدّ اور ہمزہ دو الگ الگ کلمات میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ، اِنَّآ اٰتَیْنٰكُمْ، وَمَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ، قَالُوْٓا اس مدّ کو سرخ سیاہی سے لکھتے ہیں۔

۳۔ مدّ سکون اصلی:۔ اس میں حرف مدّ کے بعد حرف ساکن آتا ہے۔ اور اس کا سکون اصلی

---

[1] علوم القرآن، ۱۳۶۔ قرآن کریم کا رسم الخط اس وقت اوج کمال پر تھا جب ابو حاتم نے اپنی کتاب اعراب اور نقطوں پر مکمل کی۔

[2] علوم القرآن، ۱۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے وقف سے نہیں ہوتا۔ مثلاً الٓمٓ۔ طٰسٓمٓ، اس مد کو فواتح اور مد لازمی بھی کہتے ہیں[1]

۴۔ مدِ سکون مدغمی:۔ اس میں مد کا پہلا حرف جس پر مد لکھا جاتا ہے، ساکن ہوتا ہے اور دوسرا مدغم ہوتا ہے۔ مثلاً الضآلّین۔ دآبّۃ۔ اتحآجّونی۔

۵۔ مدِ منقلب:۔ اس میں حرف مد ہمزہ سے منقلب ہوتا ہے۔ جیسے آلـٰئن

ان تین قسموں کو بھی سیاہ روشنائی سے لکھتے ہیں۔

۶۔ مدِ سکون عارضی:۔ جو وقف سے ہوتا ہے۔ یہ لکھی نہیں جاتی، مگر پڑھی جاتی ہے جیسے خبیر، نستعین، یؤمنون۔ ان میں قصر، توسط اور طول تینوں جائز ہیں۔

۷۔ مدِ سکون:۔ جیسے سوءٍ، شیئٌ، الموت، الخیر، اس میں طول و توسط دونوں جائز ہیں[2]

اوقاف و رموز

اوقاف کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستند روایات موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آیات کے آخر میں وقف فرمایا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق "من ضمن ان یقف علی عشر مواضع فی القرآن ضمنت لہ بالجنۃ" (جس نے قرآن میں دس جگہوں پر وقف کرنے کی ضمانت دی، میں اُن کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں)۔ بعض مقامات پر وقف کو وقفِ غفران کہا گیا ہے۔ اسی طرح وقفِ جبریل بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل قرآن کے نزول کے وقت وقف کیا کرتے تھے۔ اسی طرح وقف النبی بھی مشہور ہے، یہ وقف قولی ہو یا فعلی، جو بھی وہاں وقف کرے گا اجرِ جمیل کا مستحق ٹھہرے گا[3]

چنانچہ مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں ہر ایک آیت پر وقف فرمایا کرتے تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ لیکن جونہی آیات کے محل معلوم ہو گئے تو

---

[1] نہایت البیان ص ۴۰، ۴۱۔

[2] ایضاً۔

[3] نوادر البیان ص ۴، ۵، ۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقف میں اتنی کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ البتہ آیات کے تقرر کا فائدہ یہ ہوا کہ قاری جب وہاں وقف کرے گا تو معنی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔[1]

علمائے سلف نے اوقاف اور آیات کے تقرر کی اہمیت کے پیش نظر اس کام کو آگے بڑھایا۔ اور شیخ ابو محمد طیفوری سجاوندی پہلے شخص ہیں جس نے علم وقوف کو ایک باقاعدہ علم کی شکل دی اور اس میں کتابیں لکھیں۔[2]

وقف کیا ہے اور کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے

وقف کا لغوی معنی کھڑا ہونا ہے۔ اصطلاحی معنی آخری کلمہ پر سانس لینے کی مقدار خاموش رہنا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ ہر آیت کے آخر میں وقف فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین بھی اس طریقے پر چلتے تھے۔ لیکن جب متاخرین نے قراءت کے اصول وضوابط منضبط کیے تو وقف کی اقسام میں تقسیم کر دیئے۔ پھر مختلف علماء کے درمیان اوقاف میں اختلاف تھا۔ لیکن انجام کار ابن جزری نے ایک جامع تقسیم کی بنیاد رکھی، جس کے مطابق وقف کی پانچ قسمیں ٹھہریں:

۱۔ وقف تام:۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ کسی قسم کا لفظی اور معنوی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ وقف غیر لازم۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معنی میں فساد پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً۔ نستعین، مفلحون۔

ب۔ وقف لازم۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معنی میں فساد پیدا ہوتا ہے مثلاً۔ واللہ لا یھدی القوم الظلمین الذین امنوا وھاجروا میں الظلمین پر وقف[3]

۲۔ وقف کافی:۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ معنوی تعلق ہوتا ہے لیکن لفظی تعلق نہیں ہوتا۔

---

[1] نوادر البیان نہایات البیان، ۴۴
[2] نہایات البیان، ۴۵
[3] ایضاً ۴۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً کلمہ "لاریب فیہ" اس میں مابعد کو ماقبل کے ساتھ ملا کر پڑھنا جائز ہے۔

۳۔ وقف حسن:۔ اس میں ماقبل کو مابعد کے ساتھ لفظی تعلق ہوتا ہے، معنوی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ جس میں مابعد کا بغیر ماقبل کے اعادہ کے پڑھنا مستحسن نہیں ہے۔ مثلاً:۔ الحمد للہ کے بعد رب العلمین کو ماقبل کے ساتھ آواز سفلی پڑھا جائے گا۔[۱]

ب۔ جس میں مابعد کا ماقبل کے ساتھ پڑھنا غیر مستحسن نہیں ہے مثلاً رب العلمین پر وقف۔

۴۔ وقف قبیح:۔ اس میں ماقبل کے ساتھ مابعد ملا کر پڑھنے سے معنی مقصود سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلاً مبتدا پر بغیر خبر کے وقف۔ مضاف پر بغیر مضاف الیہ کے وقف، اس طرح فعل پر بغیر فاعل کے اور موصوف پر بغیر صفت کے وقف کرنا۔[۲]

۵۔ وقفِ اقبح:۔ اس میں ماقبل پر وقف نہ کرنے سے معنی میں فساد پیدا ہوتا ہے، جیسے ائنکم لتشھدون ان مع اللہ الٰھۃً اُخریٰ میں لفظ تشھدون پر وقف۔ چنانچہ بعض نے اس جیسے وقف کو وقف حرام اور وقفِ کفران کہا ہے۔

علامات و رموز وقف

جو علامات و رموز آیات کے آخر میں لکھی جاتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی جو آیات کے آخر میں لکھی جاتی ہیں ان کی ۱۵ صورتیں ہیں۔

۱۔ ۵ سرخ، یہ وقف تام کی علامت ہے۔

۲۔ م سرخ، یہ وقف لازم کی علامت ہے۔

۳۔ ط سرخ، یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ یہ وقف کافی کی ایک قسم ہے کہ مابعد کا ماقبل کے ساتھ پڑھنا مستحسن ہے۔

۴۔ ج سرخ، یہ وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔[۳]

---

[۱] نہایات البیان ص ۴۵، نوادر البیان ص ۴، ۵، ۶۔

[۲] نوادر البیان ص ۴ [۳] نہایات البیان، ۴۵، ۴۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض علماء کے ہاں یہاں وقف زیادہ معتبر ہے۔ لیکن اس کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

۵۔ ز سرخ، یہاں وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔ البتہ وصل راجح اور وقف مرجوح ہے۔

۶۔ ص سرخ، یہاں وقف کی رخصت ہے یعنی جس جگہ مابعد کا ماقبل سے الگ پڑھنا صحیح مفہوم نہیں دیتا۔ لیکن سانس رُک جانے کی صورت میں، جو طولِ کلام کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے، وقف کی اجازت ہے۔ یہاں یہ لازم نہیں ہے کہ ماقبل کو مابعد کے ساتھ دوبارہ ملا کر پڑھا جائے، یہ وقف، وقفِ اضطراری میں داخل ہے۔[1]

۷۔ صلی سرخ، یہاں ملا کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

۸۔ صل سرخ، یہ ملا کر پڑھنے کی علامت ہے۔ لیکن ملا کر پڑھنے کو چھوڑنا اولیٰ اور وقف احسن ہے۔

۹۔ قف سرخ، یہ وقف کی علامت ہے، لیکن قاری یہاں وصل کا گمان کرتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ قِفْ یعنی توقف کر۔

۱۰۔ ق سرخ، یہ "قیل علیہ وقف" کی علامت ہے یعنی بعض کے ہاں یہاں وقف ہے۔

۱۱۔ معانقہ، لفظ معانقہ کا لفظی معنی ایک دوسرے کے بغل میں ہاتھ ڈال کر ملنا۔ اصطلاح میں یہ دو وقف ہیں جو ایک دوسرے کے پہلو میں واقع ہوتے ہیں۔ معنی کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہوتے ہیں[2] مثلاً ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ج فِيْهِ ج ۔ اس میں اگر لاریب پر وقف کیا جائے تو فیہ کو ھدًی کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے۔ بعض یہاں لفظ مراقبہ بعض لفظ مع اور بعض تین نقطے

[1] نہایات البیان ۴۵، ۴۶۔

[2] نوادر البیان ۴، ۵، ۶، نہایات البیان ۴۶، ۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے اوپر لکھ لیتے ہیں۔ لفظ معانقہ یا تو پہلے وقف کے لفظ کے اوپر لکھتے ہیں یا حاشیے میں۔[1]

۱۲۔ لا سرخ : یہ "لا وقف علیہ" کی علامت ہے یعنی یہاں وقف نہیں ہے۔

۱۳۔ وقفہ : یہ طویل سکتے کی علامت ہے۔ وقفہ وقف کے زیادہ قریب ہے اور سکتہ وصل کے زیادہ قریب۔

۱۴۔ س سرخ : یہ سکتہ کی علامت ہے یعنی سانس توڑے بغیر سانس لینے کی مقدار سے کم رکنا سکتہ کہلاتا ہے۔ مثلاً بل ران میں لفظ بل کے لام پر۔ یعنی حرف لام کو حرف را میں مدغم کیے بغیر۔

۱۵۔ ک سرخ : یہ لفظ کذالک کی علامت ہے یعنی اس جگہ وقف مثل سابق ہوگا۔ مثلاً واعف عنا واغفر لنا ک وارحمنا ک یعنی ہر ایک پر وقف ہے۔ اس لیے دوسرے اور تیسرے پر "ک" لکھا جاتا ہے۔

بعض لوگ ان رموز کو اوپر لکھتے ہیں اور بعض نیچے۔[2]

بعض رموز آیات کی تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے وقف کے اوپر لکھے جاتے ہیں۔ ان کی چھ صورتیں ہیں :

ھ سرخ : یہ کوفی اور بصری دونوں یا صرف کوفی پانچ آیات کی علامت ہے۔ یہ حروفِ ابجد کا پانچواں حرف ہے جس کی قیمت پانچ ہے۔

خب : یہ پانچ آیات بصری کی علامت ہے (خمسہ بصری)

ع : یہ کوفی اور بصری دونوں یا صرف کوفی دس آیات کی علامت ہے۔ اس کو "ی" کی شکل میں لکھتے ہیں جو حروف ابجد کا دسواں حرف ہے جس کی قیمت دس ہے۔

عب : یہ دس بصری آیات کی علامت ہے۔

تب : یہ بصری آیات کی علامت ہے۔

---

[1] نوادر البیان ۴، ۵، ۶
[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لب ، یہ غیر بصری آیات کی علامت ہے [۱]

قرآن کریم میں ان سارے ... کی شمولیت کے بارے میں علماء کا ردِ عمل کیا رہا - اس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ قرآن کریم کے رسم الخط میں حسن و خوبی پیدا کرنے کے کام کو سارے علماء نے بنظر استحسان نہیں دیکھا - اس کا پہلا مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود سے شروع ہوا تھا ، جو قرآن کریم کو خالص رکھنا چاہتے تھے - تابعین میں بھی بعض لوگ قرآن کو معطر کرنے اور اس میں گلاب کے اوراق رکھنے کے مخالف تھے [۲] اتباع تابعین کے عہد میں امام مالکؒ عام لوگوں کے لیے قرآنِ کریم پر نقطے لگانے کے قائل تھے - ایسے بھی لوگ تھے جو نقطے لگانے اور ہر دس آیات کے بعد ایک خاص نشان لگانے کے حق میں تھے - اس سلسلے میں تیسری صدی کے آخری دور کے ایک عالم لکھتے ہیں :-

" پانچ یا دس آیتوں کے بعد نشان لگانا ، سورتوں کے نام رکھنا اور ان میں آیات کی تعداد ذکر کرنا مکروہ ہے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[۱] لوادر البیان ۴، ۵، ۶ - چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں مصاحف عثمانی میں ایک نسخہ موجود رہا ہے اس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے - اسی طرح ابن کثیرؒ نے بھی جو آٹھویں ہجری کے ایک معروف دانشور گزرے ہیں - حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ مصحف دیکھا تھا - وہ لکھتے ہیں "حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ مصاحف میں سے مشہور تر وہ مصحف ہے جو آج کل ملک شام کی جامع دمشق میں رکن کے پاس مقصورہ کی شرقی جانب موجود ہے - یہ مصحف پہلے طبریہ میں تھا - ۵۱۸ھ میں اسے دمشق لایا گیا - یہ جلیل القدر کتاب نہایت دیدہ زیب و دلکش ، کبیر الحجم اور نہایت حسین جلی خط میں مرقوم ہے - اس کی جلد بڑی مضبوط ہے - میرا خیال ہے کہ یہ اونٹ کے چمڑے سے باندھی گئی ہے - (فضائل القرآن ، طبع المنار ، ۱۳۴۸ھ ، ۴۹ - ایضاً علوم القرآن ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ -)

یہ نسخہ بقول بعض لینن گراڈ کی ایک لائبریری میں قیصر روسی کی حفاظت میں رہا - پھر وہاں سے انگلینڈ لایا گیا - لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ نسخہ جامع دمشق میں رہا - اور ۱۳۱۰ھ میں اس کو نذرِ آتش کر دیا گیا - علوم القرآن ۱۲۹ -

[۲] علوم القرآن ۱۳۶ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کو حشو و زوائد سے پاک رکھو۔ البتہ نقطے لگانا جائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں خطرہ دامن گیر نہیں ہے کہ غیر قرآن کو قرآن سمجھ لیا جائے گا۔ نقطوں کا فائدہ صرف یہ ہے کہ وہ پڑھے جانے والے لفظ کی شکل وصورت پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے جس شخص کو نقطوں کی ضرورت ہو اسے ان سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔"[1]

اس کے برعکس ایسے لوگ بھی تھے جو ان علامات کو بدعت سمجھتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ کل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار۔

بعض علما۔ ایسے بھی تھے جو اعتدال کی راہ پر گامزن تھے۔ وہ قرآن پر اعراب اور نقطے لگانے کے حق میں تھے۔ لیکن وہ ان کو قرآن کے متن سے الگ دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حرکات تنوین، تشدید (شد)، سکون (جزم) اور مد سرخی کے ساتھ اور ہمزہ زردی کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتے تھے۔[2]

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے اس بدعت کو قبول کرنا شروع کیا۔ اور ایک ایسا وقت بھی آیا کہ لوگ اس کو نظر استحسان سے دیکھنے لگے۔ اب یہ خطرہ تھا کہ قرآن پر اعراب اور نقطے نہ لگائے جائیں تو لوگ اس کی تلاوت میں سخت غلطیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ امام نووی رح لکھتے ہیں:

"قرآن پر نقطے اور اعراب لگانا ایک پسندیدہ فعل ہے، کیونکہ اس کی بدولت ہر اعرابی غلطی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔"[3]

مثلاً درج ذیل امور کو اب ان لوگوں نے قرآن کی تلاوت کے لیے ضروری قرار دیا۔

۱۔ ہر سورت کے شروع میں اس کا عنوان لکھنا۔

۲۔ آیات کے اواخر میں اختتامی علامت تحریر کرنا۔

---

[1] یہ عالم ابو عبداللہ حسین بن حسن حلیمی جرجانی متوفی ۴۰۳ھ ہے۔ اس کی کتاب "المنہاج" بہت مشہور کتاب ہے۔ علوم القرآن، ۱۳۷۔

[2] علوم القرآن ۱۳۸ [3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳ ـ قرآن کو اجزاء میں تقسیم کرنا۔

۴ ـ پھر اجزاء کو احزاب میں اور احزاب کو ارباع میں تقسیم کرنا۔

۵ ـ مذکورہ سارے امور کو خاص علامات لگا کر واضح کرنا۔

آیات کے آخر میں لگے ہوئے نشانات کو لوگوں نے بہت جلد قبول کر لیا۔ کیونکہ انہیں تقسیم آیات کی پہچان کی ضرورت تھی۔

سورتوں کے عنوانات اور ان سورتوں کے اسماء کے اندراج کا مسئلہ بھی مختلف فیہ رہا۔ اسی طرح سورتوں کو مدنی یا مکی لکھنا بھی جدل و اختلاف کا باعث رہا۔[1] مگر وقت گذرنے کے ساتھ سا تھ لوگ اس کو بنظر احسن دیکھنے لگے۔ بلکہ لوگوں نے ان اسماء اور عنوانات کی زیبائش و آرائش کا اتنا اہتمام کیا کہ بعض نادانوں نے تو اس کو قرآن کا ایک جزو قرار دیا۔

لیکن قرآن پاک کے بعض نسخوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی زیبائش و آرائش کا کام عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں میں زیادہ ہوا۔ عربی میں بعض تفاسیر آجکل بھی ایسی موجود ہیں جن میں قرآن پاک کی عبارت میں تعداد آیات کے علاوہ اور کوئی علامت نظر نہیں آتی۔[2] اس طرح بعض نسخوں میں اعراب بھی نہیں ہیں۔[3]

عجمیوں کے ہاں تو قرآن کریم کے لا تعداد نسخے ایسے بھی ہیں جن میں سونے کی گلکاری کی گئی ہے ایسے نسخے بھی ہیں جن کو سونے سے لکھا گیا ہے۔ الغرض عجمیوں کے ہاں قرآن کی زیبائش و آرائش کا کام آج کل بھی جاری ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اب قرآن کریم کی عبارتوں کو پیراگراف میں تقسیم کر کے اس کے ترجمے کے پہلے حرف کو (CAPITAL) لکھا ہے۔[4]

---

۱ ـ علوم القرآن ۱۴۰

۲ ـ جیسے امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر۔

۳ ـ ایسے کئی مصری نسخے موجود ہیں جن میں اعراب نہیں ہیں۔

۴ ـ جیسے عبداللہ یوسف علی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ جہاں کہیں نیا پیراگراف شروع ہوتا ہے وہ اس لفظ کا پہلا حرف بہت نمایاں لکھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روحانیت —— سیرتِ پاک کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

ادیانِ سابقہ اور مذاہبِ جدیدہ میں روحانیت کا طرۂ امتیاز گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا ہے۔ ہندو مت میں سادھو، جوگی، یہودیت میں احبار، عیسائیت میں رہبان، سکھ مت میں گرو اور گیانی اسی ترکِ دنیا کا نتیجہ ہیں۔ وہ دنیوی امور و معاملات سے نفرت سکھاتے ہیں اور ان سے فرار کو منتہائے مقصود قرار دیتے ہیں۔ روحانی ادیان و مذاہب کے مقابلے میں مادی اور الحادی نظام ہیں، جو دنیا و مافیہا ہی کو مقصودِ حیات ٹھہراتے ہیں۔ عقل کو آخری قوت قرار دیتے ہیں۔ وحی و الہام کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے اس میں نہ کلیۃً ترکِ دنیا کی گنجائش ہے اور نہ لہو و لعب ہی مقصودِ حیات ہے۔ یہ دینِ وحیِ الٰہی پر مبنی ہے اور وحیِ الٰہی دنیا و آخرت دونوں پر محیط ہے۔

مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

سابقہ ادیان میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کو مذہب کا نمایاں وصف قرار دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص اس وصف سے جتنا زیادہ متصف ہوتا تھا وہ اتنا ہی زیادہ مذہبی اور دیندار قرار پاتا تھا۔ ان تارک الدنیا احبار و رہبان کے مقابلے میں جو لوگ دنیوی امور اور معاشی مسائل کے حل میں مصروف ہوتے، تسخیرِ کائنات اور علومِ انفس و آفاق میں مشغول ہوتے، انہیں احساسِ گناہ میں مبتلا کر دیا جاتا۔ انہیں سمجھایا جاتا کہ جو لوگ ترکِ دنیا پر قدرت رکھتے ہیں وہ اللہ کی طرح قابلِ پرستش ہیں، ان کی پوجا کی جانی چاہیے، جیسے قرآن حکیم نے اس آیت میں بیان فرمایا:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ[1]

انہوں نے اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کو اللہ کے سوا رب قرار دے لیا۔

تارک الدنیا روحانی پیشوا لوازمات حیات سے تو بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے، مگر وہ ان کے حصول کو معیوب قرار دیتے تھے۔ اس تضاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں گزر اوقات کے لیے دوسروں کی کمائی پر انحصار کرنا پڑتا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہیں باطل ذرائع روزی اختیار کرنے پڑتے وہ اس کا طریق کار یہ اپناتے کہ احساس گناہ میں مبتلا دنیا داروں کے دلوں میں نجات کی تمنا پیدا کرتے۔ پھر اس تمنا کو گناہگاروں کے اموال کے سامنے جوڑ دیتے۔ پھر اس بات کو شہرت دیتے کہ جو لوگ نجات چاہتے ہیں وہ اپنی کمائی ان کے قدموں پر نچھاور کریں۔ قرآن حکیم نے اس رہبانیت اور اس کی بنیاد پر حاصل کردہ کمائی کو باطل ذریعۂ روزگار قرار دیا۔ ارشاد قرآنی ہے:

ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ[2]

"اکثر یہودی علماء اور عیسائی مذہبی پیشوا لوگوں کی کمائی باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔"

یہی وہ مادی اسباب تھے جنہوں نے دین میں رہبانیت کو جگہ دی، ورنہ اصل دین میں ابتداء ہی سے ترک دنیا اور رہبانیت کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ بعد کی پیداوار ہے جسے لوگوں کی کمائی باطل طریقے سے کھانے کے لیے ایجاد کیا گیا۔

ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا علیھم[3]

"اور گوشہ نشینی کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔"

---

[1] قرآن حکیم (التوبہ ۹ : ۳۱)
[2] قرآن حکیم (التوبہ ۹ : ۳۴)
[3] قرآن حکیم (الحدید ۵۷ : ۲۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سابقہ ادیان میں خود ساختہ روحانیت اسلام کے لیے ہرگز قابل قبول نہ تھی۔ اس میں دُنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے: "الدنیا مزرعۃ الاخرۃ"۔ دین و دُنیا، عبادات و معاملات میں حسین امتزاج پیدا کیا گیا۔ خود ساختہ روحانیت اور مادہ پرستی کی انتہاپسندی ختم کر کے دینی اور دُنیوی اُمور و معاملات میں اعتدال و توازن پیدا کیا۔ مادہ پرستوں کو سمجھایا:

وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور[1]

یہ حیات دُنیا محض متاع فریب ہے۔

قرآن وسنّت کی انہیں مستند، لازوال اور ہمہ گیر کلیات کی بنیاد پر ترک دُنیا اور رہبانیت والی روحانیت کے خلاف پوری قطعیت کے ساتھ اسلام کے دوامی فیصلہ کا اعلان ہوا:

لا رھبانیۃ فی الاسلام[2]

رہبانیت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام کو ادیانِ عالم پر جو فوقیت حاصل ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ دین انسان کی جملہ خداداد صلاحیتوں کی من کل الوجوہ پرورش و تکمیل کرتا ہے۔ یہ اذہان و قلوب کو دینی و روحانی افکار سے سرشار کرتا ہے۔ اور اجسام و ابدان کو حلال و جائز ذرائع سے سیراب کرتا ہے۔ یہ دین انسان کی اندرونی دُنیا کو منوّر کرتا ہے اور بیرونی دُنیا کو حسین و جمیل بناتا ہے۔ یہ انسان کو دُنیا سے فرار کی بجائے اس میں قرار کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ مظاہر فطرت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے بجائے کائنات کی تسخیر کا سبق دیتا ہے۔ یہ ظلم کی جگہ عدل، منافقت کی جگہ صداقت، ضعف کی جگہ قوت، جہالت کی جگہ علم، ویرانی کی جگہ آبادی، یبوست کی جگہ تازگی، تعصّب کی جگہ توازن، تشدد کی جگہ اعتدال پیدا کر کے، انسان کو انسان بناتا ہے۔

---

[1] قرآن حکیم (آل عمران ۳: ۱۸۵

[2] اس مفہوم کی دوسری روایات اس طرح بیان ہوئی ہیں:

۱- ان الرھبانیہ لم تُکتبْ علینا (احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۲۶

۲- اِنّی لم اُومَرْ بالرھبانیہ (دارمی نکاح ۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرار و ترکِ دُنیا والی روحانیت کی جگہ انسانیت کو جہاد و جہدِ حیات والی روحانیت سے متعارف فرمایا ۔ مومن ذاتی اغراض، نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کو قابو میں لانے کی جد و جہد میں مصروف ہو یا دُنیا سے ظلم و استبداد اور کفر و الحاد کے انسداد کے لیے میدانِ کارزار میں تیر و سناں اور توپ و طیارہ کے ساتھ جرأت و شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہو وہ دونوں صورتوں میں روحانیت کی منازل طے کر رہا ہوتا ہے ۔ اسلامی تعلیمات کے تابع جہدِ حیات اور جہادِ سیف و قلم میں بھرپور شرکت اور لطف اندوزی، اسلامی روحانیت کا طرۂ امتیاز ہے ۔ اس طرزِ روحانیت کو اپنانے والے اور اس منفرد روحانیت سے انسانیت کو روشناس کرانے والے ختم الرسلؐ، خیر البشر، اشرف الانبیاء نے مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے فرمایا:

وعلیک بالجہاد فانہ رہبانیۃ الاسلام [1]

تم پر جہاد فرض ہے کیونکہ جہاد اسلام کی رہبانیت ہے ۔

واہ سبحان اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب اسلامی روحانیت کی تعریف فرمائی!
کہاں وہ رہبانیت والی روحانیت جو دُنیا سے فرار سکھا کر انسان کو آبادی سے ویرانی، اعتدال سے انتہا اور توازن سے تشدد کی طرف لے جاتی ہے، اور کہاں یہ جہاد والی رہبانیت جو دُنیا سے ظلم و جور ختم کر کے عدل و انصاف کے قیام پر آمادہ کرتی ہے اور جس سے عین میدانِ جنگ میں معجزات کا ظہور ہوتا ہے ۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی [2]

" اور نہ پھینکا تھا تو نے جس وقت پھینکا تھا، بلکہ اللہ نے پھینکا تھا ۔"

اور کہا اقبال نے:

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے
آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

۱۔ احمد بن حنبل، مسند ۳، ۲۸۲، ۲۶۶

۲۔ قرآن حکیم (الانفال ۸: ۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت علوم النفس و آفاق میں انہماک، تسخیر کائنات میں مسابقت، جہد حیات میں جرأت و شجاعت، عزم و استقامت کے کارہائے نمایاں دکھلانے وقت قلب و ذہن کی پاکیزگی، حرص و طمع اور متاع حیات سے اجتناب، خشیت الٰہی کے تلازم اور للہیت کو اپنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ اسی روحانیت کا عملی نمونہ اور آپ کا اسوۂ حسنہ اس کی زندہ و تابندہ تصویر ہے۔ قرآن حکیم نے آپ کی رات کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے:

یا ایھا المزمل قم الیل الا قلیلا ہ نصفہ او انقص
منہ قلیلا ہ او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا ہ[1]

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

یہ آپ کی شب بیداری کی کیفیت تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس دوران آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے اور آپ کے سینے سے چکی کی گڑگڑاہٹ کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ قیام لیل اس لیے تھا کہ انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے بھاری ذمہ داری آپ پر ڈالی جا رہی تھی:

انا سنلقی علیک قولا ثقیلا[2]

تحقیق ہم ڈالیں گے آپ پر بھاری بات

شب بیداری نفس کشی اور قول اقوم سیدھی بات کی تربیت کے لیے ضروری ہے:

ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا[3]

رات کا اٹھنا بہت سخت ہے نفس کو کچلنے اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو

[1] قرآن حکیم (المزمل ۷۳: ۱ تا ۴ [2] ایضاً المزمل ۷۳: ۵ [3] ایضاً المزمل ۷۳: ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی روحانیت میں یہ رات کا پروگرام بیان ہوا ۔ اب ملاحظہ ہو دن کا لائحہ عمل جو قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان کیا ہے :

ان لك فی النهار سبحا طویلا [۱]

دن بھر کے دوران آپ کے لیے طویل مشاغل ہیں ۔

ان طویل سیاسی ، معاشرتی ، معاشی مصروفیات و مشاغل ، عدالتی ، تعلیمی ، تنظیمی امور و مسائل ، زرعی ، تجارتی ، صنعتی معاملات کی انجام دہی کے دوران مخالفین و معاندین اسلام کی طرف سے جب مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے تو ایسی صورت میں اسلامی روحانیت کا تقاضا یہ نہیں کہ مومن دنیا سے فرار اختیار کر کے گوشہ نشین بن جائے ۔ اور انسانیت کو درندہ خصلت ظالمین و مستبدین کے سپرد کر دے ۔ بلکہ مومن دنیا میں قرار حاصل کر کے جم کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کرے ، قوت و طاقت اور ذرائع و وسائل کی فراہمی کے لیے ذکر الٰہی اور توکل علی اللہ کو اپنائے :

واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلا [۲]

"اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور اس کی طرف منقطع ہو جائیے پوری طرح منقطع ہو جانا ۔"

کیونکہ رب مشرق و مغرب کے تمام ذرائع و وسائل کا خالق بھی ہے اور ان پر قادر بھی ہے اس لیے اس سے بہتر کوئی وکیل اور وسیلہ نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا اسی کو وسیلہ پکڑیے : رب المشرق والمغرب لا الٰه الا هو فاتخذه وکیلا [۳] اس کشاکش حیات اور کرب و بلا کے درمیان اعدائے اسلام ، جو کچھ زبان طعن دراز کریں ، جس قسم کی الزام تراشی اور بہتان طرازی سے کام لیں اور جس طرح کے کذب و افترا کا بازار گرم کریں ۔ آپ کامل سکون ، مکمل اطمینان اور پوری یک جہتی کے ساتھ صبر و ضبط اور استقامت و استقلال کا دامن تھامے رہیں ۔ ان کی ہرگز پروا نہ کریں اور نہ انہیں درخور اعتنا سمجھیں ۔

واصبر علی ما یقولون واهجرهم هجرا جمیلا [۴]

"جو کچھ وہ کہیں آپ اس پر صبر کیجیے اور انہیں چھوڑ دیجیے اچھی طرح چھوڑنا"

---

[۱] قرآن حکیم (المزمل ۷۳ : ۷) [۲] ایضاً (المزمل ۷۳ : ۸) [۳] ایضاً (المزمل ۷۳ : ۹) [۴] ایضاً (المزمل ۷۳ : ۱۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مباحث سے سیرت طیبہ وطاہرہ کی روشنی میں رات کے دوران اسلامی روحانیت کے اجزائے ترکیبی یہ ہوئے :۔ ناشئۃ لیل، قیام الیل، ترتیل قرآن۔

اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق دن کے دوران عناصر روحانیت یہ ہوئے:

سبح طویل، تبتل الی اللہ، اتخاذ وکیل، ھجر جمیل۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن نفوس قدسیہ کو اپنی تعلیم وتربیت سے اسلامی، دینی اور روحانی تعلیمات وافکار کے سانچے میں ڈھالا، وہ بھی اس روحانی زندگی کا عملی نمونہ تھے۔ قرآن و سنت کی مسلمہ حقیقت، اسلام کی مستند صداقت اور امت کا کلی اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلامی روحانیت کے شاہکار عظیم تھے۔ ان سے بڑھ کر قیامت تک کوئی بڑی روحانی شخصیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ ان پاکیزہ ارواح کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں جو روحانی تسکین، قلبی سکون اور ذہنی طمانیت بدر واحد اور خندق وحنین کی معرکہ آرائیوں اور میدانوں میں حاصل ہوئی تھی، وہ لاریب یہودی احبار، عیسائی رہبان، ہندو جوگیوں اور سادھوؤں، سکھ گروؤں گیانیوں کو پہاڑوں، غاروں، خلوتوں، مندروں اور سمادھیوں میں ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی، صحابہ کرام کی انہیں صفات عالیہ اور اوصاف فاضلہ کے سبب ان کی تعریف یہ کی گئی ہے:

ھم باللیل رھبان وبالنھار فرسان[1]

وہ رات کو تہجد گزار اور دن کو شاہسوار تھے

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک الفوز العظیم[2]

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ فوزِ عظیم ہے۔

مزمل ومدثر، یٰسین وطٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کے طفیل دنیا "رہبان وفرسان" تہجد گزار اور شاہسوار کے حسین امتزاج والی روحانیت سے روشناس ہوئی اور آپ نے انسانیت کو فرار دنیا کی بجائے قرارِ دنیا کا سبق سکھایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

---

[1] سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، صفحہ ۱۸۲، مطبع معارف اعظم گڑھ (بھارت)

[2] قرآن حکیم (المائدۃ ۵: ۱۱۹)

© rasailojaraid.com